رسائل و مسائل

دین میں حکمتِ عملی کا مقام

سوال :۔ "دین میں حکمتِ عملی کے مقام" سے متعلق ایک لمبا چوڑا مضمون رسالہ "الفرقان" لکھنؤ میں نکل رہا ہے جس کی آخری قسط تازہ الفرقان میں آچکی ہے۔ پتہ نہیں مضمون مذکور آپکی نظر سے گذر رہا ہے یا نہیں لیکن میں اس سے متعلقہ دو ایک باتوں پر آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

گو کہ مضمونِ مذکور سے مجھے اکثر جگہ اختلاف رہا ہے لیکن "ائمہ من قریش" اور مئی کے ترجمان میں "کیا دین کے سب ہی اصول بے لچک ہیں" والے مضمون کے تحت دی گئی ہوئی نو مثالوں پر تنقید جاندار معلوم ہوئی۔ فاضل مضمون نگار نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ کی دی ہوئی مثالیں محض شخصی اجازتیں، وقتی رخصتیں اور اضطراری وقتوں کے تحت آتی ہیں اور ان کا مساعئِ اقامتِ دین سے کوئی علاقہ نہیں۔

مضمون کی ایک اور بات سے مجھے اتفاق ہے وہ یہ کہ گو آپ نے حکمت عملی والی

(بقیہ کتاب و سنت)

۴ ۳۔ یا وہ قرآن میں وارد ہونے والے قواعدِ عامہ اور جزئی واقعات و احکام کے تحت کسی عام اصول کو وضع کرتی ہے۔ مثلاً قرآن میں متعدد مقامات پر انسانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو نقصان پہنچانے یا ان پر دست درازی کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ سنت نے ایسے احکام و واقعات کی روشنی میں یہ عام اصول مقرر کر دیا ہے کہ لاضرر ولاضرار فی الاسلام (اسلام میں خود نقصان اٹھانا یا دوسرے کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے)۔

بات چند جزئی امور جیسے "امیدواری سسٹم" اور دیگر جماعتوں سے تعاون وغیرہ کے سلسلے میں کہی ہے لیکن آپ نے جس انداز سے ان پر اسوۂ رسول سے دلائل دیئے ہیں (جو صاحب مضمون کے نزدیک تمام کی تمام غیر متعلق ہیں)، اُن سے غیر سنجیدہ، مفاد پرست طبقہ کے لیے دین میں کتر بیونت کا موقعہ ہاتھ آجاتا ہے اور یہ بہت سے فتنوں کا دروازہ کھول دے گا۔ اپنے اس شبہ کے ثبوت میں مضمون نگار نے رسالہ کے اسی شمارہ میں "المنبر" کے حوالہ سے "ووٹوں کی خریدی" سے متعلق ایک عملی مثال بھی دی ہے جس میں کہ ایک صاحب نے "المنبر" کے اڈیٹر صاحب کو لکھا تھا کہ حضور "تالیف القلب" کے سلسلے میں جب لوگوں کے ایمان خریدتے تھے تو اسلامی نظام کے قیام کے سلسلے میں ووٹوں کی خریدی برحق ہے اور یہ کہ اُن صاحب کو ایک خزانہ ہاتھ آجائے تو تمام لوگوں کے ووٹ خرید کر اسلامی نظام کے قیام کی کوشش فرمائیں۔

.... فاضل مضمون نگار کا کہنا ہے کہ آپ کے حکمتِ عملی والے مضمون سے متأثر ہو کر لوگ اتنی پستی تک بھی گر سکتے ہیں تو ——— آئندہ ایسے فلسفہ کی مختلف طریقہ سے توجیہ کر کے دین کی کئی اہم قدروں کو منہدم کر سکتے ہیں۔

آپ یہ کہتے ہیں کہ اقامتِ دین کی جدوجہد میں توحید، رسالت اور دیگر اہم اصولوں کے استثنا سے دوسرے نسبتاً کم اہم اصولوں کو موقع کی نزاکت کے لحاظ سے قطع نظر کیا جا سکتا ہے جبکہ ان پر اصرار کرنے سے دیگر اہم اصولوں کو نقصان پہنچ رہا ہو ———

جماعت کے معترض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اگر دین کا قیام ہو گا تو اپنے پورے اصول برقرار رکھتے ہوئے ہو گا ورنہ ایسی کسی جدوجہد میں کسی بھی اصول کو قربان کیا گیا تو وہ اقامتِ دین کی جدوجہد نہیں ہے اور اگر یہ جدوجہد کامیاب ہو بھی گئی تو اسلامی نظام کے بجائے کسی کے خود ساختہ نظام کا قیام عمل میں آئے گا .... اور اگر حالات کا دباؤ ایسا ہو بھی تو دعوتِ دین کے شیدائیوں کو چاہیے کہ دین کو اپنے تمام اصولوں کے ساتھ قائم کرنے پر مصر رہیں یا دعوتِ دین سے دستبردار ہوں۔ غرضیکہ صاحبِ مقالہ کا استدلال یہ ہے کہ احکامِ دین میں استثنا

کی گنجائش شخصی اضطرار اور ذاتی مصالح کے لیے تو ہو سکتی ہے لیکن دینی مقاصد اور دینی مصالح کی خاطر اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چونکہ مسئلہ کا تعلق "دعوتِ دین اور اس کے طریقۂ کار" کے بنیادی امور سے ہے اس لیے بہت سے حضرات جو جماعت کے بیجا حامی ہیں نہ اس کے غالی مخالف، اس کو فی الواقع سمجھنا چاہتے ہیں۔ اس بارے میں آپ کے دسمبر اور مئی والے ترجمان کے رسائل و مسائل کے تحت دیئے ہوئے جوابات پوری طرح تشفی بخش نہیں ہیں۔ اس لیے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ایک مفصل مضمون جو قرآن، حدیث اور اسوۂ صحابہ کی مثالوں سے جو صرف اقامتِ دین کی جدوجہد سے علاقہ رکھتی ہوں منشرح ہو، ترجمان القرآن میں رقم کیا جائے تو جہاں یہ بہت سی غلط فہمیوں کے ازالہ کا باعث ہوگا وہاں بہت سے تعلقِ خاطر رکھنے والے حضرات کے اضطراب کے لیے تشفی بخش ہوگا۔ جماعتی لحاظ سے ہٹ کر بھی اس کی خالص علمی لحاظ سے بھی بڑی اہمیت ہے۔

جواب ۔ "الفرقان" کی جس بحث کا آپ نے ذکر کیا ہے اس کے موقع و محل اور انداز سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ اصل بنائے بحث بجائے خود یہ مسائل نہیں ہیں بلکہ دل کا ایک پرانا بخار ہے جو مدتوں سے موقع کی تلاش میں دبا پڑا تھا اور اب اس کو نکالنے کے لیے کچھ مسائل بطور حیلہ ڈھونڈ لیے گئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ ارادہ کر کے بیٹھ جائے کہ کسی کو متہم کرنا ہے تو دنیا میں کوئی نہیں ہے جو ایسے شخص کی مار سے بچ جائے۔ آپ جس بڑے سے بڑے قدیم یا جدید مصنف کا نام چاہیں لے لیں، میں آپ کو بتا سکتا ہوں کہ متہم کرنے کا ارادہ کر لینے کے بعد اس کے ہاں سے کیسے کیسے سخت الزامات کی بنیادیں برآمد کی جا سکتی ہیں۔ دوسروں کو چھوڑیے، اگر خدا کا خوف اور ایک ایک لفظ پر اس کے حضور بازپرس کا خطرہ نہ ہوتا تو میں بطور نمونہ بتاتا کہ خود ان حضرات کو ضال اور مضل ثابت کر دینا، بلکہ انہیں دین اور ملت کے لیے سب سے بڑا خطرہ ٹھیرا دینا کتنا آسان ہے اور آدمی تقویٰ و خشیت کا لباس زیب تن کر کے کیسی کچھ باتیں خود ان لوگوں کے خلاف بنا سکتا ہے۔

میرا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کی تنقید میں مجھے اس طرح کے محرکات محسوس ہوتے ہیں تو میں اس کا جواب دینے سے پرہیز کرتا ہوں، کیونکہ وہ تو اپنے مقصد کی خاطر ہر وادی میں بھٹکتا پھر لیگا، میں اپنا مقصد چھوڑ کر اس کے پیچھے کہاں کہاں بھٹک سکتا ہوں۔ اور آخر اس طرح کے لوگوں سے الجھ کر میں پھر اور کسی کام کے لیے وقت بھی کہاں سے لا سکتا ہوں۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ بعض حضرات پندرہ پندرہ سولہ سولہ برس سے مسلسل مجھ پر حملے کر رہے ہیں، اور ابھی چند سال سے تو کچھ لوگوں نے میرے خلاف الزام تراشیاں کرنا اپنا مستقل مشغلہ ہی بنا رکھا ہے مگر میں نے کبھی ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا، یا حد سے حد اگر کبھی ضرورت سمجھی تو اپنی پوزیشن کی وضاحت کر دی اور اس کے بعد انہیں چھوڑ دیا کہ جب تک چاہیں اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتے رہیں۔

آپ "الفرقان" اور "المنیر" کے مضامین سے اگر دھوکا کھاتے رہیں گے تو میرے لیے یہ سخت مشکل ہوگا کہ وہ آئے دن آپ کے دل میں ایک نیا وسوسہ ڈالیں اور میں اپنے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر آپ کے وسوسے دور کرنے میں لگا رہوں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ صبر کے ساتھ دونوں طرف کی چیزیں پڑھتے رہیں۔ اگر آپ کی سمجھ میں حقیقتِ حال آجائے تو اچھا ہے، ورنہ جہاں اور بہت سے لوگ ان وسوسہ اندازیوں کے شکار ہوئے ہیں وہاں ایک آپ بھی سہی۔

تاہم چونکہ آپ نے پہلی مرتبہ مجھ کو ان کے ڈالے ہوئے وساوس کے بارے میں لکھا ہے اس لیے میں صرف ایک دو باتوں کی وضاحت کیے دیتا ہوں تاکہ بات سمجھنے میں آپ کو مدد مل سکے۔

(۱) اختیارِ اهون کے اصول کی وضاحت میں جو مثالیں میں نے دی ہیں ان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان سے صرف شخصی مشکلات اور بندوں کو پیش آنے والی حاجات ہی میں اضطرار کے موقع پر رخصت کا ثبوت ملتا ہے، رہا اقامتِ دین کا کام تو اس میں اس قاعدے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب ذرا آپ خود سوچیں کہ اگر بات یہی ہے تو رواۃِ حدیث کی جرح و تعدیل کے سلسلے میں محدثین نے بے شمار زندہ اور مردہ راویوں کی جو غیبت کر ڈالی، اس کا باعث

آخر کونسا شخصی اضطرار تھا؟ دوسری مثالوں کو تھوڑی دیر کے لیے چھوڑ دیجیے، صرف یہی ایک مثال اس امر کے ثبوت میں کافی ہے کہ بڑے مفسدے سے بچنے کے لیے چھوٹے مگر ناگزیر مفسدے کو اختیار کر لینا، اور بڑی بھلائی کی خاطر چھوٹی بھلائی کا نقصان بقدرِ ضرورت گوارا کر جانا، صرف شخصی حاجات ہی کے لیے جائز نہیں بلکہ خالص دینی مصالح کے لیے بھی جائز ہے، اور اس قاعدے کے معاملے میں بندوں کی ضروریات اور سعی اقامتِ دین کی ضروریات کے درمیان جو فرق ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ محدثین نے ہزارہا راویوں کے عیوب کی پردہ کشائی اپنے "پیشے" کی ضروریات، یا اپنی تصنیف و تالیف کے مقاصد کی خاطر تو نہیں کی تھی۔ یہ صریح حرام، بلکہ قرآن کی تعبیر کے مطابق نہایت گھناؤنا کام انہوں نے صرف اس دلیل کی بنا پر کیا تھا کہ اگر اس برائی کا ارتکاب نہ کیا جائے گا تو اس سے بہت زیادہ بڑی برائی یہ لازم آئے گی کہ دین میں بہت سی وہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے داخل ہو جائیں گی جو حضورؐ نے نہیں فرمائیں اور اس طرح دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خالصتہً اقامتِ دین کے سلسلے کا ایک نہایت اہم اور نمایاں کام نہ تھا۔ اس میں تو شخصی مصالح و حاجات کے کسی شائبے تک کی نشان دہی نہیں کی جا سکتی۔ اور یہ وہ کام ہے جسے ایک قابلِ معافی جرم نہیں بلکہ کارِ ثواب سمجھ کر امت کے اگلے پچھلے تمام فقہاء اور محدثین نے بالاتفاق کیا اور تمام امت نے بالاجماع اسے کارِ ثواب مانا، حالانکہ فی الاصل اس کے غیبت ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) دین کے کسی قاعدے کو بیان کرنے میں یہ احتمال کہ اس سے مفاد پرست لوگوں کو ناجائز فائدہ اٹھانے کا موقع مل جائے گا، بظاہر بڑا اہم محسوس ہوتا ہے، لیکن غور کیجیے، کیا اس اندیشے سے اللہ اور اس کے رسولؐ نے اور امت کے اہلِ علم نے کسی ضروری چیز کو بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے؟ قرآن، حدیث اور فقہ کے صفحات میں بکثرت باتیں ایسی موجود ہیں جن سے اگر کوئی جاہل اور بدنیت آدمی ناجائز فائدہ اٹھانے پر اتر آئے تو فسق و فجور اور گمراہی کی آخری حدوں کو بھی پار کر جائے۔ لیکن ان اندیشوں سے نہ خدا نے، نہ اس کے رسولؐ نے اور نہ علمائے امت نے کوئی ایسی